Vol.7 No.3 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

میاں محمد بخشؒ کا فلسفۂ عشق

(MIAN MUHAMMAD BAKHSH'S PHILOSOPHY OF LOVE)

ڈاکٹر عطاء الرحمٰن میو

ایسوسی ایٹ پروفیسر، لاہور گیریژن یونیورسٹی

حافظہ عائشہ صدیقہ

لیکچرار/پی ایچ ڈی سکالر، لاہور کالج فار ویمن یونیورسٹی

Abstract:

Classical Punjabi poetry is the epitome of the philosophy of love and its various aspects. Through their poetry, Punjabi Sufi poets travel from worldly love to true love and their readers also witness this process of love transformation. Amongst from Punjabi Sufi poets, Mian Muhammad Bakhsh has mastered the intensity of love and its various stages. For him, love is a gradual process and the lover is its agent. He calls love as an unattainable and most difficult thing. It is the lover's destiny to burn in the fire of love, from which he escapes by attaining eternal life instead of dying. Without love, there is no difference between human and animal. It is love that elevates a person to the level of humanity. There is no limit to faith without love. Resurrection is one of the attributes of love. For a lover, every moment is worth a moment of the last day. The path of love is as difficult as the 'Pul Sirat' (Road to the Success), it can be realized only by the lover who becomes the traveler of this path in search of heaven. Lover is not afraid of death at all like 'Parwana' (the flame's lover). Asceticism and worship are of no use without love, because love is given only by burning in the fire of love, and the one who gives his life in the path of love attains the status of martyrdom and attains eternal life. These concepts of love by Mian Muhammad Bakhsh are derived from his 'Masnavi Safar-ul-Ishq', known as "Saif-ul-Muluk", whose explanation and analytical study is the focus of this article.

Keywords:

Mian Muhammad Bakhsh, Philosophy of Love, Masnavi, Safar-ul-Ishq, Saif-ul-Muluk, Ishq.

کلیدی الفاظ: خصوصی مہارت، عشق کی واردات، وحدت فکر، ادغام، ادراک، عشق کی ابدیت، تزکیہ نفس، ثانوی حیثیت، تدریجی عمل، اعلی و ارفع خیالات، اسرار ورموز

دنیا کا ہر ادب اپنی تخلیقات میں پائے جانے والے فلسفہ اور فکر کے باعث ایک دوسرے سے منفرد پہچان رکھتا ہے۔ پنجابی کلاسیکی شاعری بھی اپنے موضوعات کے اعتبار سے بے حد متنوع عوامل کی حامل ہے۔ اس کا سب سے اہم موضوع عشق اور اس کی مختلف جہات کا بیان ہے۔ پنجابی کے صوفی شعراء عشق کے بیان میں مختلف اسلوب اپنائے ہوئے ہیں۔ مجموعی طور پر وہ اپنے کلام کے ذریعے عشق مجازی سے عشق حقیقی تک کا سفر طے کرتے ہیں جس کا مشاہدہ ان کے قارئین بھی کرتے ہیں۔ پنجابی صوفی شعراء میں میاں محمد بخشؒ عشق کی شدت اور اس کے مختلف مراحل بیان کرنے میں خصوصی مہارت رکھتے ہیں۔ وہ خود ایک باعمل صوفی تھے اس لئے ان کے کلام میں عشق کی واردات کا عملی مظاہرہ نظر آتا ہے۔ اپنے فلسفۂ عشق کے بیان میں وہ مولانا روم سے متاثر نظر آتے ہیں۔ ان کے ہاں عشق ایک تدریجی عمل ہے اور عاشق اس کا عامل ہے جو عشق کی مختلف منازل طے کرتے ہوئے وصل تک پہنچتا ہے۔ اس سارے سفر میں عاشق کے مشاہدات و تجربات کو میاں محمد بخشؒ نے نہایت عمدگی سے اپنے کلام میں بیان کیا ہے جس کا احاطہ اس مضمون کا مطمح نظر ہے۔

پنجاب کی سرزمین صوفیاء کے پیار، امن اور برداشت کے پیغام سے منور ہے۔ ان صوفیاء میں پنجابی صوفی شعراء کا حصہ نہایت اہمیت کا حامل ہے جنہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے رنگ، نسل، مذہب اور ذات پات سے بالاتر ہو کر صرف انسانیت کا درس دیا۔ انہی صوفیاء میں رومیٔ کشمیر میاں محمد بخشؒ کا نام بہت نمایاں ہے۔ میاں صاحب نے پنجابی زبان کو اظہار کا ذریعہ بنا کر اسے دوام بخشا ہے۔ عوام کی زبان عوام کے لئے استعمال کرنا عظیم لوگوں کا وتیرہ ہے۔ میاں محمد بخشؒ کی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

شاعری محض شاعری نہیں بلکہ ایک پیغام اور فلسفہ پر مبنی ہے۔ وہ قاری کو عشق مجازی کے پیمانے سے گزارتے ہوئے عشق حقیقی تک لے جاتے ہیں اور اس سفر میں وہ ہمہ وقت اس کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ عشق کی منازل طے کرتا ہوا قاری پنجابی زبان کی لطافت اور معنویت سے بھی محظوظ ہوتا ہے۔

میاں محمد بخشؒ کی تخلیق 'سیف الملوک' محض ایک داستان نہیں، اس سے علم و فضل کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ ان کے اشعار ضرب الامثال بن کر آج بھی زبان زدِ عام ہیں۔ ان کے کلام میں موجود دانائی اور حکمت ہمارے لئے راہنمائی کا باعث ہے۔ تمثیلی انداز میں وہ تصوف کے اسرار و رموز یوں قاری کے سامنے رکھ دیتے ہیں کی وہ خود بخود ان کا اسیر ہو جاتا ہے۔ شعری معنویت ایک طرف میاں محمد بخشؒ کا انداز بیاں اور لفاظی خالص عوامی رنگ لئے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار خاص و عام میں انتہائی مقبول ہیں اور آج بھی ہر محفل میں پیش کئے جاتے ہیں۔ صوفی ہو اور قاری کو عشق کی واردات سے آشنا نہ کرے، یہ ممکن ہی نہیں۔ اُن کے ہاں عشق کا پیرایہ اتنا جاندار ہے کہ سب اس کے سحر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

میاں محمد بخشؒ کا فلسفۂ عشق عملی نوعیت کا ہے جبکہ مولانا روم کے ہاں عشق نظری و فکری سطح کا حامل ہے۔ اُن کے ہاں عشق انسانی زندگی کی بنیادی ضروریات میں سے ہے۔ عشق کے بغیر انسان کا وجود بے معنی ہے کیونکہ اس کائنات کی ہر شے عشق کے احاطہ میں آتی ہے اور اس سے جو کچھ باہر ہے وہ بیکار ہے۔ ان کی شاعری میں عشق حقیقی سے عشق مجازی تک کا سفر ایک وحدت کا حامل ہے۔ انسان اپنے خالق سے الگ ہو کر اسی کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے، اس تلاش اور سرشاری کی کیفیت میں وہ اپنی زندگی گزار دیتا ہے اور بالآخر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملتا ہے۔ ان کے مطابق انسان اور خالق ایک وقت میں ایک اکائی کی حیثیت رکھتے ہیں جو عشق کے سفر میں ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں اور پھر ایک دوسرے کی طلب میں عشق کی منازل طے کرتے ہیں۔ عشق کے یہ تجربات انسان کی خالق تک رسائی کو ممکن بناتے ہیں اور اسے وحدت فکر کے ساتھ ساتھ وحدت عشق بھی عطا کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر صغر اصدف کی رائے ملاحظہ کیجئے:

> ''صوفیا کے نزدیک روحِ مطلق سے روح کی جدائی تشنگی اور تڑپ کا باعث ہے اسی لئے انسانی روح دوبارہ روحِ مطلق میں ادغام کا جتن کرتی رہتی ہے کیوں کہ اس کا اطمینان اور تکمیل اسی میں مضمر ہے۔ یہ وہ نکتہ ہے جس کے گرد تمام صوفیانہ شاعری گھومتی دکھائی دیتی ہے۔'' (۱)

میاں محمد بخشؒ کے نزدیک عشق کا بیان اور اس کی تفہیم عارف کامل ہی کر سکتے ہیں۔ جو فرد عشق کے سفر کا راہی نہیں ہے اسے عشق کی منازل کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ عشق کی قدر صرف عاشق ہی جان سکتا ہے جو اپنے معشوق کی تلاش میں دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ ہر عاشق عشق کے سفر میں شامل ہوتا ہے، وہ اس سفر کا آغاز کرنے والا ہرگز نہیں ہوتا بلکہ یہ سفر تو ازل سے جاری و ساری ہے جو ابد تک ایسے ہی چلتا رہے گا۔ عشق کے میدان میں کودنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں، عاشق صادق ہی عشق کی منزل تک پہنچتا ہے۔ عشق کا یہ بیان دیگر صوفی شعراء کے ہاں بھی ملتا ہے مگر میاں محمد بخشؒ کے ہاں اس کی شدت قدرے زیادہ ہے جس کی وجہ ان کا خود اس کا عامل ہونا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں عشق کو بنیادی مقام حاصل ہے۔ عشق کی ابدیت کے بارے میں وہ یوں بیان کرتے ہیں:

کیہہ کجھ بات عشق دی دساں، قدر نہ میرا بھائی
ایہہ دریا اگّے دا وگدا، جس دا لانگھ نہ کائی

ترجمہ: میں عشق کے بارے میں کیا بتاؤں۔ اے بھائی! میری کیا حقیقت ہے؟ یہ تو آگ کا بہتا ہوا دریا ہے جس کا پار کرنا محال ہے۔ (۲)

عشق کا مرکز و منبع دل کو قرار دیا جاتا ہے۔ سائنسی لحاظ سے تو دماغ تمام تر انسانی خیالات و اعمال کو سرانجام دیتا ہے مگر تصوف میں دل تمام اعمالِ انسانی کا محور ہے۔ میاں محمد بخشؒ کے مطابق اگر انسان کا دل دنیاوی آلائشوں اور فتنہ و فساد سے آلودہ ہے تو وہ عشق کی آماجگاہ نہیں بن سکتا۔ عشق کے قیام کے لئے ایک پاک صاف اور ارفع و اعلیٰ خیالات سے متصف دل ہی موزوں ہوتا ہے۔ دل اور دماغ کے تعلق تک ابھی انسانی سوچ کی رسائی نہیں ہے مگر ان دونوں میں ایک ایسا تعلق ضرور ہے جو فی الحال انسانی فکر سے ماورا ہے۔ صوفی عشق کے لئے دل کو ہی چُنتا ہے اور اسی میں عشق کا بسیرا ہو سکتا ہے۔ اس لئے میاں محمد بخشؒ اپنے عشق کے سفر کے آغاز سے قبل اپنے دل کی وسعت اور کشادگی کے لئے یوں دعا کرتے دکھائی دیتے ہیں:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

بال چراغ عشق دا میرا، روشن کر دے سیناں
دل دے دیوے دی روشنائی جاوے وچ زمیناں

ترجمہ: اے خدا! عشق کا چراغ جلا کر میرے سینے کو روشن کر دے۔ میرے دل کے دیئے کی روشنی دُنیا میں دور دور تک پھیل جائے۔(۳)

میاں محمد بخشؒ کے ہاں عشق مجازی ہی عشق حقیقی تک لے جانے کا ذریعہ ہے۔ اسی لئے انہوں نے ایک مجازی عشقیہ داستان کے ذریعے عشق کی تمام منازل کو نہایت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ ان کے مطابق عشق مجازی عاشق کو تربیت فراہم کرتا ہے تا کہ وہ عشق مجازی کی عظمت اور رفعت کے سہنے کے قابل ہو جائے۔ مطلوب جب طالب کو عشق کی راہوں میں پھراتا ہے تو ایک مقام پر پہنچ کر طالب مطلوبِ مجازی سے بے نیاز ہو کر مطلوب حقیقی کے دائرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس مقام تک عاشق کی رسائی عشق مجازی کے بغیر ممکن نہیں۔ ان کا قصہ سیف الملوک بھی مجازی عشق کا بیان ہے مگر اس میں عشقِ حقیقی کے رموز پوشیدہ ہیں۔ وہ خود اس قصہ سفر العشق کے بارے میں یوں بیان کرتے ہیں:

بات مجازی، رمز حقانی، دن دناں دی کاٹھی
سَفر العِشق کتاب بنائی، سیف چھپی وچ لاٹھی

ترجمہ: یہ قصہ بظاہر ایک مجازی بات ہے لیکن اس کے اندر حقیقی رمز چھپی ہوئی ہے۔ اس میں رنگارنگ صورتیں ہیں۔ میری اس کتاب 'سفر العشق' کی مثال ایسی ہے جیسے لاٹھی میں چھپی ہوئی تلوار ہو۔ (۴)

صوفیاء عشق سے مراد عشق حقیقی ہی لیتے ہیں، وہ مجازی عشق کو تربیت گاہِ عشق قرار دیتے ہیں جس کے ذریعے اصل مطلوب عشق مجازی ہی ہوتا ہے۔ میاں محمد بخشؒ کے ہاں بھی عشق کے یہی معیارات نظر آتے ہیں۔ عشق حقیقی میں وہ ایک ایسے محبوب کی تلاش کرتے ہیں جسے دیکھا نہیں جاسکتا ہے مگر پھر بھی وہ اس کی جستجو میں عمر دراز گزار دیتے ہیں۔ عشق حقیقی کے حصول کے لئے کئے جانے والے سفر اور ریاضت کو وہ عشق مجازی سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہی سفر اور ریاضت عشق حقیقی تک پہنچنے کا زینہ ہے۔ عاشق اس سفر میں کئی مراحل طے کرتا ہے جن میں اظہارِ عشق، ہجر، فراق، تزکیۂ نفس، طہارت، وجدان، فقر اور وصل شامل ہیں۔ یہ مراحل اسے عاشق صادق بننے میں مدد دیتے ہیں۔ کسی ایک مرحلہ میں ناکامی عاشق کی مجموعی ناکامی تصور کی جاتی ہے اور وہ آخری مرحلہ یعنی وصل تک پہنچ ہی نہیں پاتا۔

میاں محمد بخشؒ کا فلسفۂ عشق وحدت الوجودی نوعیت کا ہے۔ وہ انسان کو بحیثیت انسان اہم سمجھتے ہیں۔ ان کے ہاں مذہب، رنگ، نسل اور فرقہ ایک ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ پوری انسانیت کی بات کرتے ہیں اور اس کائنات کی وحدت و یگانگت پر یقین رکھتے ہیں۔ انسانی روح اپنے خالق کا ہی پرتو ہے جو ہمہ وقت اس سے ملنے کی طالب رہتی ہے اور جب وصل ممکن ہو جاتا ہے تو دونوں اکائیاں ایک ہو جاتی ہے۔ یہی لمحہ صوفی کی جستجو اور طلب کا نقطۂ عروج و اختتام ہوتا ہے۔ اس میدان میں ابنِ عربی ہوں یا مولانا روم سبھی ایک ہی راہ کے راہی نظر آتے ہیں۔ وحدت الوجودی نظریہ کو اس لحاظ سے آفاقی حیثیت حاصل ہے کیونکہ اس نظریہ سے تقریباً سبھی مذاہب نے اثرات قبول کئے ہیں۔ میاں محمد بخشؒ کا فلسفۂ عشق بھی اسی وحدت کو ساتھ لے کر چلتا ہے اور عاشق کو وصل سے ہمکنار کرتا ہے۔

میاں محمد بخشؒ کی شاعری میں وحدت مخلوق کا تصور بھی ان کے فلسفۂ عشق کو ایک نئی جہت عطا کرتا ہے۔ وہ تمام مخلوقات کو برابر سمجھتے ہوئے انسانیت کو وسیع معانی عطا کرتا ہے جس کے تحت کائنات کی ہر چیز ایک ہی ذات سے وابستہ ہے۔ وہ ہر قسم کے تعصب، نسل پرستی اور گروہی اختلافات سے بالاتر ہو کر مخلوق کی خدمت کو اپنا شعار سمجھتے ہیں۔ یہی وہ جذبات و احساسات ہیں جن پر عشقِ حقیقی کی بنیاد استوار ہے۔ اپنی ذات کی نفی کرتے ہوئے اپنے خالق کو اپنا سب کچھ مان کر اس کی ماننا ہی عشقِ حقیقی کا بنیادی تقاضا ہے۔ صوفی ساری کائنات کو خدا کا کنبہ مانتا ہے اور ان کے درمیان کسی قسم کی تفریق کا قائل نہیں ہوتا۔ میاں محمد بخشؒ کی شاعری میں یہی تصوّرات جابجا موجود ہیں جو ان کے فلسفۂ عشق کو واضح کرتے ہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

عشق کی منزل وصل ہے مگر یہ منزل آسانی سے نصیب نہیں ہوتی، عاشق کو کئی آزمائشوں اور مصائب سے گزرنا پڑتا ہے۔ عشق کو آگ میں جلنے سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کی شدت عاشق صادق ہی برداشت کر سکتا ہے، اس آگ سے گزر کر وہ کندن بن جاتا ہے اور اپنے خالق کے قرب کا حقدار ٹھہرتا ہے۔ عشق کی راہ میں زندگی کا اختتام بھی آغاز زندگی سے تعبیر ہوتا ہے۔ اس حیات جاودانی کو میاں محمد بخشؒ یوں بیان کرتے ہیں:

جس نے قدم اگیرے دھریا، سویو سڑیا سڑیا
پر ایتھے سڑون حیاتی، ایویں گل نہ اڑیا

ترجمہ: جس نے قدم آگے بڑھایا وہ جل کے رہا۔ لیکن یہاں جل مرنا ہی زندگی ہے۔ یہ کام اتنا آسان نہیں ہوتا۔ (۵)

میاں محمد بخشؒ عشق کو ایک آفاقی جذبہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے ہاں عاشق ہی انسان کہلانے کا حقدار ہے جبکہ دیگر انسان جو اس لطیف جذبہ سے ہمکنار نہیں ہوتے وہ جانوروں کی طرح زندگی گزار دیتے ہیں۔ انسان اور دیگر مخلوقات میں سب سے بڑا فرق عشق کا ہے جو انسان کو مخلوقات میں افضلیت کے درجہ پر فائز کرتا ہے۔ یہ فضیلت اسے عشق کی بدولت نصیب ہوتی ہے وگرنہ عشق کے بغیر حیات و ممات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ عشق کی یہ اہمیت اور انفرادیت ان کی شاعری میں یوں نظر آتی ہے:

جنہاں عشق خرید نہ کیتا ایویں آ گُتّے
عشقے باجھ، محمد بخشا، کیا آدم، کیا کُتّے

ترجمہ: جنہوں نے عشق کا سودا نہیں کیا۔ وہ محض بوالہوس ہیں۔ اے محمد بخش! عشق کے بغیر آدمی اور کتے میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ (۶)

عشق کی اسی کیفیت اور انفرادیت کو مزید انہوں نے یوں بیان کیا ہے:

جس دل اندر عشق نہ رچیا، کتّے اس تھیں چنگے
خاوند دے در راکھی کردے، صابر، بُھکّھے، ننگے

ترجمہ: جس کے دل میں عشق نہیں سمایا اُس سے تو کتے اچھے ہیں جو مالک کے در کی رکھوالی کرتے ہیں اور بھوکے ننگے رہ کر بھی صابر رہتے ہیں۔ (۷)

میاں محمد بخشؒ کا فلسفۂ عشق ان کی شاعری میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ ان کے مطابق عشق ایمان و اسلام سے بھی بالاتر ہے کیونکہ عاشق خالق کی ذات میں حلول کے لئے عشق کے مراحل طے کرتا ہے۔ اس تدریجی عمل میں وہ شریعت و طریقت کے اسرار و رموز سے بھی آشنا ہو جاتا ہے اور اسے پتہ چلتا ہے کہ عاشق کا راستہ اور شریعت و طریقت اور معرفت کا راستہ ایک ہی ہے۔ سب کا مقصود ذاتِ الٰہی ہے۔ راستے جدا جدا ہیں مگر منزل سب کی ایک ہے۔ اس لئے ایمان کی خیر عشق کی خیر سے وابستہ ہے اور عشق کا جذبہ ہی مرکزی اُٹھنے کے تصور کو واضح کرتا ہے۔ عاشق عشق کی راہ میں جب حیات کے دائرے سے نکلتا ہے تو دراصل وہ خالق کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے یعنی وہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے جس کی تلاش میں اس نے زندگی بھر سفر طے کیا ہوتا ہے۔ عاشق کے لئے موت حیات کا دوسرا نام ہے، اسی لئے محبوب سے ملنے تک اس کا ہر دن روزِ قیامت کی طرح طویل معلوم ہوتا ہے۔ اس تصورِ عشق کی معراج اس شعر میں ملاحظہ کیجئے:

عشقوں باجھ ایمان کو یہا، کہن ایمان سلامت
مر کے جیؤن صفت عشق دی، دم دم روز قیامت

حرف و سخن
HARF-O-SUKHAN
Urdu Research Journal of PAKISTAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

ترجمہ: لوگ اکثر یہ دعا کرتے ہیں کہ ایمان سلامت! عشق کے بغیر ایمان کیسا؟ مر مر کے جینا عشق کی صفت ہے۔ عاشق کے لئے پل پل روز قیامت ہے۔ (۸)

اس مضمون کو عشق کی دشوار گزاری کے ساتھ ملا کر وہ یوں پیش کرتے ہیں:

پُل صراط عشق دا پینڈا، سو جانے جو ٹُردا
آس بہشت دلیری دیندا، نرگ وچھوڑا گھر دا

ترجمہ: عشق کا راستہ پُل صراط کی طرح ہے۔ وہی جانتا ہے جو اس پر چلتا ہے۔ بہشت کی آس حوصلہ بڑھاتی ہے ورنہ گھر چھوڑنا دوزخ کی طرح ہوتا ہے۔ (۹)

عشق کی منازل عاشق کے لئے سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ وہ ہر منزل پر سرخرو ہوتے ہوئے اپنے محبوب حقیقی کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ عشق کے سفر میں اپنے جذبات، احساسات اور خواہشات کی قربانی دینا پڑتی ہے۔ یہاں تک کے عاشق کو اپنی جان بھی قربان کرنا پڑے تو دریغ نہیں کرتا کیونکہ اس کی منزل محبوب حقیقی تک پہنچنا ہوتا ہے۔ محبوب کے وصل کا احساس موت کے احساس سے بالاتر ہو کر عاشق کے رگ و پے میں سما جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میاں محمد بخشؒ کا عاشقِ حقیقی بامراد ہے۔ اسے منزل تک پہنچنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہوتی جس کی سب سے بنیادی وجہ ان کا خود باعمل صوفی ہونا ہے۔ وہ خود عملی طور پر عشق کی منازل سے گزرے ہیں اور فناہ و بقا کی منزل سے بخوبی واقف ہیں تبھی وہ شاعری کے ذریعے اس لطیف پیغام کو دوسروں تک پہنچا رہے ہیں۔ عشق کی اس مشکل پسندی کو وہ یوں بیان کرتے ہیں:

عاشق بنن سکھالا ناہیں، ویکھاں نیونہہ پتنگ دے
خوشیاں نال جلن دی آتش، مَوتوں ذرا نہ سنگدے

ترجمہ: عاشق بننا کوئی آسان بات نہیں۔ ذرا پروانے کی محبت دیکھو۔ وہ خوشی خوشی آگ میں جلتا ہے اور موت سے ذرا نہیں گھبراتا۔ (۱۰)

میاں محمد بخشؒ کا فلسفۂ عشق اپنی انتہا کو تب پہنچتا ہے جب وہ یہ کہتے ہیں کہ عشق کائنات میں سب سے اعلیٰ جذبہ ہے جس کے تحت عاشق اپنی مراد یعنی وصل تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ اس کی اس جدوجہد میں مذہب اور شریعت اس کے آڑے نہیں آتے۔ عبادات و نیکوکاری عاشق کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنتے کیونکہ یہ زہد و عبادت بھی خالق تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں جبکہ عشق کے مراحل بھی خالق تک ہی لے جاتے ہیں۔ اس راہ میں جلنا مرنا حیات جاوداں حاصل کرنے کے مترادف ہے۔ عاشق معشوق کے عشق میں جب امتحانات سے گزرتا ہے تو اس پر عشق کے بھید آشکار ہوتے ہیں اور اسے پتہ چلتا ہے کہ راہِ عشق ایک ایسی تربیت ہے جس کو مکمل کرنے کے بعد وہ عشقِ حقیقی کے در پر حاضر ہو جائے گا، اور تب جا کے عاشقی کا حق بھی ادا ہوگا۔ اس ضمن میں وہ کہتے ہیں:

جے لکھ زُہد عبادت کریئے، بِن عشقوں کس کاری
جاں جاں عشق نہ ساڑے تینوں، تاں تاں نبھے نہ یاری

ترجمہ: چاہے لاکھ زہد و عبادت کریں لیکن عشق کے بغیر کس کام کے۔ جب تک عشق تجھے جلائے گا نہیں تب تک یاری نہیں نبھ سکتی۔ (۱۱)

عشق کی منزل وصالِ حبیب ہے۔ میاں محمد بخشؒ عشق کی معراج اس موت کو قرار دیتے ہیں جس کے بعد ابدی حیات عاشق کا استقبال کرتی ہے اور اسے خالقِ حقیقی کے دیدار کا شرف نصیب ہوتا ہے۔ موت اس کے لئے کسی نعمت سے کم نہیں کیونکہ یہ اسے عشق حقیقی سے ہمکنار کرتی ہے۔ اس لئے وہ عاشق کی موت کو شہادت کا درجہ عطا کرتے ہیں کیونکہ شہید بھی حیاتِ جاوداں حاصل کر لیتا ہے اور عاشق بھی عشق حقیقی کی منازل طے کر کے ابدی حیات کا متمنی ہوتا ہے جو بالآخر اسے

HARF-O-SUKHAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

مل جاتی ہے۔ میاں محمد بخشؒ عشق کے راستے میں موت کو شہادت سے تعبیر کرتے ہیں کہ اس کے بعد ہمیشہ رہنے والی زندگی عاشق کا انتظار کر رہی ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

پاک شہادت، قتل ہووے گا جے کر اس تلواروں
سدا حیاتی جان، محمد، مرنا ایس آزاروں

ترجمہ: جو کوئی عشق کی تلوار سے قتل ہو گا اسے شہادت کا پاکیزہ مرتبہ ملے گا۔ اے محمد! اس آزار کے ساتھ مرنے کو ہمیشہ زندگی سمجھو۔(۱۲)

میاں محمد بخشؒ کے ہاں عشق اس کائنات کا سب سے لطیف جذبہ ہے جو عشق مجازی سے ہو کر عاشقِ صادق کو عشقِ حقیقی کی منزل عطا کرتا ہے۔ انہوں نے فلسفۂ عشق کو سفر عشق کے ذریعے قاری تک پہنچانے کی سعی کی ہے۔ ان کا عشق محض فکری اور فلسفیانہ نہیں بلکہ عملی نوعیت کا ہے کیونکہ وہ عشق کی تمام منازل کے خود راہی نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر میاں ظفر مقبول کے بقول ان کا قصہ سیف الملوک بھی معرفتِ حق کے رازوں کا سرچشمہ ہے اور تمام کا تمام عرفان کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔(۱۳) ان کا فلسفۂ عشق عملی ہونے کے باعث مؤثر اور قابلِ تقلید بھی ہے۔ ان کا عشق موت سے نہیں ڈرتا بلکہ وہ موت سے حیاتِ جاودانی حاصل کر لیتا ہے۔ ان کے ہاں عشق کے بغیر ایمان اور زہد و عبادت کی بھی کوئی حیثیت نہیں اور عشق حقیقی تبھی نصیب ہوتا ہے جب عاشق راہِ عشق میں شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوتا ہے اور ابدی حیات حاصل کر کے خالق سے جاملتا ہے۔ یہ وصل کا جذبہ عشق مجازی سے عشقِ حقیقی تک کے سفر کا حقیقی جواز ہے۔ میاں محمد بخشؒ کے ہاں عشق کی شدت، کمال اور وصل حقیقی کی تپش ان کو دوسرے صوفی شعراء سے ممتاز کرتی ہے اور ان کا فلسفۂ عشق ابدی شعور کے مراحل طے کرتے ہوئے آفاقی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ اس آفاقیت کے وہ خود عامل ہیں اور قاری کو بھی اس کی لذت سے بخوبی آشنا کر دیتے ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ صغر اصدف، ڈاکٹر، فلسفۂ عشق، لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۲۰۱۸ء، ص:۱۵۲
۲۔ انور مسعود، مترجم، سیف الملوک، لاہور: محکمہ اطلاعات، ثقافت و امورِ نوجوانان، ۲۰۰۹ء، ص:۱۲۰۔۱۲۱
۳۔ ایضاً، ص:۲۔۳
۴۔ ایضاً، ص:۹۲۔۹۳
۵۔ ایضاً، ص:۱۲۰۔۱۲۱
۶۔ ایضاً، ص:۱۲۲۔۱۲۳
۷۔ ایضاً، ص:۱۲۲۔۱۲۳
۸۔ ایضاً، ص:۱۲۲۔۱۲۳
۹۔ ایضاً، ص:۱۲۲۔۱۲۳
۱۰۔ ایضاً، ص:۱۲۲۔۱۲۳
۱۱۔ ایضاً، ص:۱۲۲۔۱۲۳
۱۲۔ ایضاً، ص:۱۲۲۔۱۲۳
۱۳۔ ظفر مقبول، میاں، ڈاکٹر، قصہ کاری، لاہور: پنجاب انسٹیٹیوٹ آف لینگویج، آرٹ اینڈ کلچر، ۲۰۱۶ء، ص:۲۵۸